دعوات عبدیت حق
ضبط و ترتیب ـــ ادارۃ الحق

ارشادات حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

تجلیاتِ وحی

انوارِ کتاب وسنّت

(خطبۂ جمعۃ المبارک)

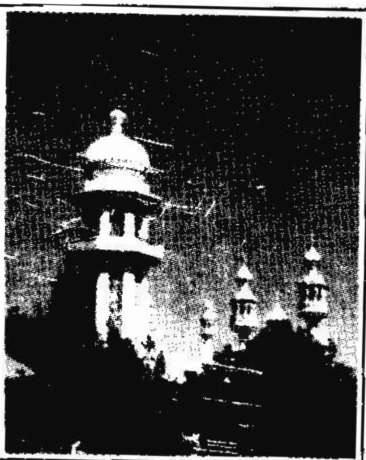

جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ کا ایک منظر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

قال ثلث من جمعهن فقد جمع الایمان الانصاف من نفسك وبذل السلام للعالم والانفاق من الاقتار۔ یہ ایک حدیث ہے جو حضرت عمار بن یاسر سے منقول ہے۔

حدیث موقوف و مرفوع اس کو اصطلاح محدثین میں حدیث موقوف کہا جاتا ہے۔ صحابی کا ایک قول صحابی کا ایک عمل ایک فتویٰ بھی حدیث ہے مگر جس حدیث میں یہ تصریح ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، انہوں نے فرمایا ہے، اس کا نام محدثین حدیث مرفوع رکھتے ہیں، اور صحابہؓ کا منبع علم اور علم کا ماخذ، عمل کا ماخذ بھی تو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ظاہر بات ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ نبی کریم ہی سے انہوں نے سنا اور دیکھا تب تو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے حدیث مبارک میں الفاظ ہیں: اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔ یہ میرے صحابہؓ جتنے ہیں، ستارے ہیں اور ہدایت کی روشنی دینے والے ہیں۔ اور ان تمام ستاروں کی روشنی سورج سے ماخوذ ہے، تو صحابہ کرامؓ کا جس قدر علم ہے، جس قدر روشنی ہے، وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔ اس لئے وہ بھی حدیث ہے مگر محدثین اس میں کہ جو رسول اللہ سے روایت ہو، منقول ہو، اس کو مرفوع کہتے ہیں۔ اور صحابی سے منقول ہو تو موقوف کہتے ہیں۔ اور یہ حدیث بخاری شریف میں جو میں نے تلاوت کی مگر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو جامعیت پائی جاتی ہے۔ جو شانِ جامعیت اس میں ہے یہ اسی سرچشمے کا معلوم ہوتا ہے جس کو جوامع الکلم فرمایا گیا ہے۔ یعنی حضورِ اقدس کا کلام مبارک اس لئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ چاہے ہمارے پاس سند نہ ہو مگر مجھے یقین ہے کہ حدیث، حدیث مرفوع ہے۔

محدثین کا وجدان باطنی اور نورانیت اتنی بات یاد رکھیں کہ ان محدثین رحمہم اللہ کو کثرتِ مزاولت اور رات دن حضورؐ کے احادیث سے شغل کی وجہ سے اس قدر نورانیت ان کے سینوں میں پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ سنتے ہی کسی کلام کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کس کا کلام ہے۔ جیساکہ کسی صراف کے سامنے آپ سونا چاندی پیش کردیں وہ دیکھتے ہی سمجھ لے گا کہ یہ کھوٹا ہے یا کھرا۔ اس طرح ان علماء محدثین کو اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ عطا فرمایا۔ اور بعض بزرگ تو مشاہدہ ان انوار کا کرکے حکم دیتے ہیں۔

شیخ عبدالعزیزؒ شیخ عبدالعزیزؒ اپنے زمانہ کے ولی اور بزرگ تھے کہا جاتا ہے کہ شیخؒ نے پورا قرآن مجید بھی نہیں پڑھا تھا۔ مگر ان کے سامنے جب قرآن کی آیتیں پڑھی جاتیں، حدیث پڑھی جاتی، دونوں کو ملاکر پڑھا جاتا تو وہ بالکل امتیاز کرکے بتلاتے کہ یہ قرآن کا جملہ ہے وہ حدیث کا جملہ ہے۔ اور یہ کسی اور انسان کا کلام ہے۔ اس طریقے سے وہ امتیاز کرتے تھے۔ کسی نے تلاوت کی کہ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وصلوٰۃ العصر۔ تو الشیخ نے فرمایا وصلوٰۃ العصر۔ یہ قرآن نہیں بلکہ یہ حدیث ہے۔ خبر واحد ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیسے جان لیا۔ تو فرمایا کہ جس وقت قرآن مجید پہ تلفظ کیا جائے تو اس وقت شعاعیں نورِ آفتاب کی طرح نکلتی ہیں، پھیلتی اور چمکتی ہیں عرش سے فرش تک نور پھیل جاتا ہے، جیسے ٹارچ کا نور پھیلتا ہے۔ اس طرح جب آپ کہیں کہ الحمد ــــــ للہ ــــــ تو ہم تو اندھے ہیں کچھ نظر نہیں آتا اور یہ جو آنکھوں والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کتنی روشنی پھیلی، تو شیخؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے تلفظ سے سورج کی طرح نور چمکتا ہے۔ اور جب حدیث پڑھی جائے تو اس کی نورانیت ایسی جیسی چاند کی ہوتی ہے۔ اور چاند بھی بدر یعنی چودھویں رات کی مانند اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس مکان میں کوئی مرد عورت یا بچہ قرآن کی تلاوت کرتا ہو تو جیسے ہم زمین والوں کو آسمان پہ ستارے نظر آتے ہیں وہ چاند ہے وہ سورج ہے وہ زہرہ ہے وہ مریخ ہے وہ عطارد ہے۔ اسی طرح اوپر آسمانوں کی مخلوق کو فرشتوں کو نیچے زمین پہ وہ گھر اور مکان جہاں تلاوت ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے ستارے چمک رہے ہوں وہ وہاں سے معلوم کرتے ہیں کہ یہاں قاری حافظ تلاوت کر رہا ہے۔ چلئے ہم بھی وہاں پہنچیں تو ساتویں چھٹے آسمان پہ وہ چمک ستاروں کی مانند نظر آتی ہے۔ یہاں کا نور اتنا نہیں وہاں نظر آتا ہے۔ امام سیوطیؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کا بیٹا جب والد کی قبر کی زیارت کو جاتا تھا۔ تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کی تلاوت میں لگ جاتا۔ اور جتنا بھی ہوسکے قبر کے پاس کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر تلاوت کرنی چاہیئے۔ اور نیت اگر صاحبِ قبر کو ایصالِ ثواب کی کرے تو اللہ تعالیٰ ثواب پہنچانے والا ہے تو وہ شخص آتے ہی تلاوت کرنے لگتا۔ تو خواب میں صاحبِ قبر نے اپنے بیٹے کو کہا کہ بیٹے تم جب میری قبر پہ آتے ہو تو تھوڑی دیر رک کر تلاوت شروع کیا کرو۔ جب تم آتے ہی تلاوت شروع کرتے ہو تو تمہارے چہرے

پر تلاوت کے انوار اتنے پھیل جاتے ہیں جیسے سورج کوئی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح تمہارا چہرہ انوار تجلیات میں ڈھک جاتا ہے۔ اور تم میری نظروں سے غائب رہتے ہو، میں دیکھنے نہیں پاتا۔ تو قرآن کے انوار دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں تو شیخ دباغ فرماتے ہیں کہ گویا کہ قرآن کا ہر لفظ ایسا ہے جیسا اندھیرے میں بٹن دبائیں تو فوراً روشنی پھیل جاتی ہے۔ جب آپ زبان سے کہیں۔ الحمدللہ۔ اس کلمہ کے کہتے ہی عرش سے فرش تک نور پھیل جاتا ہے۔ سورج کی روشنی کیطرح اور جب حدیث پڑھی جائے جیسا آپ پڑھتے ہیں دارالعلوم میں تو بدر کے چاند جیسی روشنی پھیلتی ہے۔

گنج مراد آبادیؒ کی وصیت حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے صوفی گذرے ہیں۔ انہوں نے وصیت کی جب مجھ پر نزع کی حالت طاری ہو جائے تو اس وقت بخاری شریف میرے پاس آکر بیٹھ کر پڑھتے رہیں تاکہ اس کے انوار و برکات سے نزع کی تکالیف اللہ تعالیٰ آسان کر دے۔ مولانا نے وصیت کی اس لئے کہ موت کے وقت احادیث کی عبارت پڑھنے سے اس کے انوار ہوتے ہیں چاند کی روشنی کی طرح۔ اور دوسرے کسی شخص کے کلام میں خواہ وہ افلاطون اور ارسطو کیوں نہ ہو وہ نورانیت نہیں ہوتی بالکل۔ تو لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ یہ اللہ کی ایک مہربانی ہے فضل ہے، کرم ہے، جس پر ہو جائے۔ اسی شیخ عبدالعزیز دباغ کا ایک اور قصہ کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ وہ خود کتابیں پڑھے ہوئے نہیں تھے، مگر بڑے بڑے علماء مشکل مسائل ان سے حل کیا کرتے تھے تو چند لوگوں نے آکر ان کے سامنے ایک مسئلہ رکھا کہ حضرت ـــ

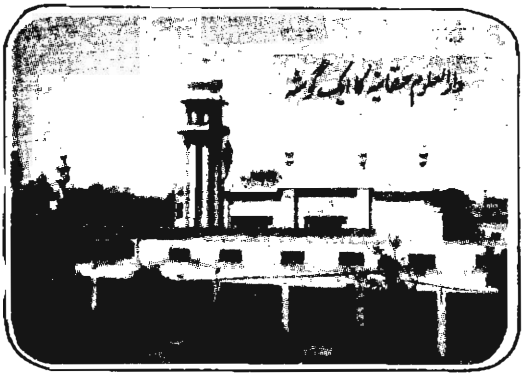

شمائل ترمذی شریف میں ایک حدیث آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب راستہ پر تشریف لے جاتے تھے تو کانما ینحط من صبب۔ جیسا کہ فراز سے نشیب کی طرف کوئی جاتا ہو، جیسے سیڑھی سے آپ اتریں تو سر جھکا ہوگا۔ اور احتیاط سے پاؤں رکھیں گے۔ اور آج تو لوگ اٹنشن ہو کر جاتے ہیں سینہ تان کر چلتے ہیں۔ اس تکبر نے تو شیطان کو غرق کر دیا۔ شیطان نے بڑی عبادت کی بڑا عالم ہے۔ جو علماء کو اب بھی ورغلاتا ہے۔

امام رازیؒ کا سفر سلوک امام رازیؒ کتنے بڑے عالم اور محقق گذرے ہیں۔ عجیب واقعہ ہے ان کا۔ امام رازیؒ علم کلام، تفسیر، منطق اور فلسفہ کے بہت بڑے امام تھے، مگر روحانیت اور تصوف اور قلب کی صفائی کے لئے ضرورت ہوتی ہے، ایک رہنما کی۔ ایک استاذ کی۔ اور اسلاف کا اس کے لئے یہی طریق رہا

ہے کہ وہ بیعت کسی کامل کے ہاتھ پر کرتے ہیں۔ اس نیت سے کہ اصلاح ہو جائے۔

بیعت کی حقیقت آج کل ہم بیعت کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ دکان کا کام چل جائے تجارت میں نقصان نہ ہو مقدمہ سر پر ہے، اس میں بری ہو جاؤں، کوئی تعویذ یا وظیفہ پیر سے مل جائے تو ہم پیر کو اس لئے پکڑتے ہیں، ٹھیک ہے مگر یہ تو ایک الگ بات ہے وہ تو قرآن کی حدیث کی خاصیت اور تاثیر ہے۔ مگر بیعت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو درست کرو۔ اپنے اخلاق باطنیہ اخلاق ظاہرہ کو درست کرو۔ آج کل کی بیعت کا الگ مقصد بنالیا گیا۔ مگر اس وقت یہ بات نہ تھی امام رازیؒ کتنے بڑے عالم، تفسیر کبیر کے مصنف۔، فلسفہ کے امام جب انہوں نے ارادہ بیعت کا کرلیا تو اسی زمانہ کے ایک عالم شیخ نجم الدینؒ کی لوگوں میں شہرت تھی بڑے متقی بڑے پارسا انسان تھے۔ تو امام رازیؒ اصلاح نفس کی نیت سے ان کے پاس آتے۔ اب عالم کی جو شان ہے۔ اور امام تو تمام دنیا میں مشہور تھے تو اس تمام عالمانہ شان کو چھوڑ بیٹھے جبہ، قبہ اور صافے کو اتار کر ایک ملنگ بن گیا۔ فقیر اور مسکین بنے اور شیخ نجم الدین کی مسجد اور خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ کر استنجا کے ڈھیلے بنانے لگے اسے جسم پر مل کر صاف کرتے پھر کبھی کبھی منہ پر بھی اسے رگڑتے کہ ہموار ہو جائیں۔ لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں کہ کوئی فقیر بیٹھا ڈھیلے بنا رہا ہے۔ ماؤف، دماغ ہوگا کوئی۔

چند دن گذرے کہ ایک عیسائی آیا اور آکر شہر میں اعلان کردیا کہ اسلام پر میرے کچھ اعتراضات ہیں اور اگر اسلام حق مذہب ہے تو ان اعتراضات کا جواب کوئی مولوی کوئی عام مسلمان دیدے۔ چیلنج دیدیا کہ یہاں کے علماء اور مشائخ جواب دیں۔ یہ لوگ شیخ نجم الدین کے پاس آئے کہ پادری بازار میں چلا چلا کر اشکالات پیش کر رہا ہے۔ اس کا جواب۔ تو نظر نہیں آتا۔ شیخ نے فرمایا کہ بھائی اس کا جواب۔ تو امام رازیؒ ہی دے سکتے ہیں۔ امام رازیؒ کے پاس پہنچ کر انہیں یہ اشکالات پیش کردیں کہ وہ جواب لکھ دیں۔ اور کوئی ایسا محقق اور فلسفی اور ماہر ریاضی تو اس زمانہ میں ہے نہیں۔ امام رازیؒ دروازے پر ملنگ بنے بیٹھے ہوئے ہیں اصلاح نفس کے لئے آئے ہیں سب بزرگی علمی شان ذکاوت۔ اور تبحر الگ رکھ دئے ہیں۔ عالم تھے سمجھ رہے تھے کہ نفس کی اصلاح کیلئے آیا ہوں۔ تو شان بان کیسی؟

آج کل ہم میں یہ بڑا عیب ہے کہ یہ زعم ہے کہ میں خوددار ہوں معلوم نہیں یہ خودداری کے نام سے انانیت کہاں سے آئی کہتے ہیں ہم اپنے حقوق کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہم خوددار ہیں۔ تو یہ شیطان کے جملے ہیں، اچھا ہم تو غلام ہیں اللہ کے۔ بھائی غلام کی کیا خودی ہے، غلام کی خودی کچھ بھی نہیں، آقا جو کچھ بھی کہے وہ غلام کی خودی ہے۔ بہرحال پھر تو امامؒ نے باتیں سنیں کہ ایک قاصد بھیجا جا رہا ہے میری طرف۔ تو قاصد کو راستہ میں روک لیا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے ڈانٹا کہ دیوانے تجھے کیا۔ کہا بتا دو، کیا حرج ہے۔ اس نے کہا

امام رازیؒ کے پاس پادریوں کے اعتراضات لے کر جارہا ہوں۔ کہ وہ جواب دیدے امام رازیؒ نے کہا کہ مجھے تو بتلا دو، کیا حرج ہے، سوالات دیکھ کر کاغذ پنسل لیا اور کھڑے کھڑے جوابات لکھ دیئے اور قاصد سے کہا کہ یہ بیکہ شیخ نجم الدین کو بتلادے اگر وہ اسے ناپسند کرے تب امام رازیؒ کے پاس چلا جا۔ شیخ نجم الدین نے جب وہ جوابات دیکھے تو سمجھ گئے کہ ایسا جواب تو امام رازیؒ کے بغیر اور کوئی لکھ نہیں سکتا۔ پوچھا کس نے لکھے ہیں یہ جوابات۔؟ کہا وہ استنجا کے ڈھیلے بنانے والے فقیر اور مسافر نے۔ کہا، اسے بلاؤ۔ بلائے گئے۔ شیخ نے مصافحہ کیا، بٹھایا، تنہائی میں لے جاکر کہا کہ تو امام رازیؒ تو نہیں کہا ہوں۔ فرمایا کیسا عجیب آدمی ہے۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کہا، حضرت میں اپنے نفس کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ مولوی ہوں اور مولوی کا نفس بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ دنیا مجھے قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ تو اس نیت سے چلا آیا کہ اپنے نفس کی اصلاح کردوں اور آپ تک بغیر اصلاح نفس کشی کے رسائی مناسب نہ سمجھی، پھر شیخ نے پوچھا بیعت کرنا چاہتے ہو۔؟ کہا اسی لئے تو آیا ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ مراقبہ ہوئے توجہ دی۔ امام رازیؒ تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد اچھل پڑے۔ شیخ نے پوچھا کیوں۔؟ کہا، میرے دل و دماغ میں پہاڑ گر رہے ہیں، ٹوٹ رہے ہیں۔ نکل رہے ہیں۔ تحمل نہیں کرسکتا۔ شیخ نے فرمایا ٹھیک ہی تو ہے، جب نیا مکان آباد کرنا ہو تو پرانی عمارت گرائی جاتی ہے۔ توڑ پھوڑ ہوتی ہے بنیادیں اکھیڑنی ہوں گی تب دوسری تعمیر ہوگی، اب تم تصوّف و سلوک کے میدان میں آئے ہو، معرفت و حکمت کے علوم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اب اپنے منطق و فلسفہ کو نکالنا ہوگا۔ علوم معقولہ کو نکالنا ہے وہ جو علم کلام کے جھگڑے ہیں یہ ختم ہو رہے ہیں، ٹوٹ رہے ہیں۔ یہ علوم نکل رہے ہیں۔ امامؒ نے فرمایا، حضرت بوڑھا ہوگیا ہوں ان علوم میں اور اب جی نہیں چاہتا کہ اب ان علوم سے عاری ہو جاؤں شیخ نجم الدین نے فرمایا بہت بہتر اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت اور حفاظت کے لئے تم جیسے علماء کو پیدا کیا ہے تم لوگ ظاہر دین کے محافظ ہو۔ آج اگر روئے زمین پر تم جیسے علماء نہ ہوتے تو دشمنوں کا توڑ کون کرتا تمہاری منطق و فلسفہ اور علم کلام کی مہارت آج کام آئی۔ اللہ کو یہی منظور ہے بس آپ جاکر پڑھتے پڑھاتے رہیں اپنے کام میں لگے رہیں، تمہاری بیعت ہوگئی۔

امام صاحبؒ چلے گئے، مدّت گذری، کہا جاتا ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو کتنے سو دلائل امامؒ نے اپنے ذہن میں تجویز کئے تھے کہ جان کنی اور نزع کے وقت جب شیطان آکر انسان کے ساتھ مناظرہ کرتا ہے۔ تو ان دلائل سے اسے شکست دوں گا۔ تو امامؒ نے اللہ کے وجود، وحدانیت کے دلائل مستحضر کر رکھے تھے، تو جب نزع کا وقت طاری ہوا امام پر۔ تو شیخ نجم الدین نے سینکڑوں میل دور اچانک جب کہ وہ وضوء فرما رہے تھے وضوء کا لوٹا پھینک کر فرمایا کہ: "بگو من خدا را بلا دلیل شناختیم" اور یہ اتفاقاً اس

وقت شیخ کو کشف ہو گیا تھا۔ یہ علم غیب نہیں جو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ کسی خبر کی بات کا علم خدا دے دیتا ہے۔ تو شیخ کو کشف ہوا کہ امام رازیؒ ابلیس کے ساتھ مناظرہ میں لگے ہوتے ہیں۔ اور سارے دلائل پیش کرتے جا رہے ہیں اور ابلیس ان کا مقابلہ اور جرح کر رہا ہے۔ تو شیخ نجم الدین نے امام رازیؒ کے مرشد نے انہیں للکارا کہ دلائل میں مت پڑو، شیطان کے ساتھ مناظرہ مت کرو، بس کہہ دو کہ میں بلا دلیل خدا کو مانتا ہوں، سمجھے کیا۔ ——— ہم چھوٹے تھے تو یہ قصہ سنا کرتے تھے کہ کسی شہر میں ابلیس آیا کسی کے پاس اور کہا تو مانتا ہے خدا کو؟ کہا، ہاں۔ کہا کہاں ہے دکھاؤ؟ اس نے ایک لاٹھی لی اور ایک ماری دوسری ماری تیسری ماری اور کہا یہ آسمان یہ ستارے یہ دریا یہ زمین یہ میرا وجود کیا تیرے باپ نے پیدا کئے ہیں۔ اس قدر مارا کہ ابلیس نے کہا خدا کیلئے چھوڑ دو، تمہاری دلیل سب سے مضبوط ہے۔

ایمان محکم | تو یہ عوام کا ایمان بہت محکم ہوتا ہے، بس کوئی دلیل نہیں چاہیے۔ ایمان ہے کہ خدا ایک ہے، اُس نے ہمیں پیدا کیا ہے شیطان سے مناظرے مت کرو۔ میں خود دیوبند میں تھا ایک بنگالی طالب العلم نزع کی حالت طاری تھی وہ بولتا جا رہا تھا، دلائل پیش کر رہا تھا، کچھ دیر بعد کہنے لگا وہ بھاگا وہ بھاگا، سالہ بھاگ گیا ہم سمجھ گئے کہ شیطان مناظرے میں شکست کھا گیا۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ابلیس سے کبھی مطمئن نہ بیٹھنا۔

امام مالک اور سکرات موت | امام مالک کتنے بڑے بزرگ ہیں بڑے محدّث اور امام دار الھجرت ہیں۔ نزع کی حالت میں امام مالک اپنا چہرہ کبھی اس طرف پھیرتے تھے کبھی اس طرف، لوگ سمجھے کہ تکلیف اور پریشانی ہے، تو کہا حضور آپ نے تو ساری عمر حدیث کی خدمت کی، آپ پر تو اللہ کا بڑا کرم ہوگا۔ آپ کیوں پریشان ہیں، تو انہوں نے جواب دیا، پریشانی اور کچھ نہیں، ابلیس سامنے کھڑا ہے اور ہاتھ مل رہا ہے، کہ یہ بڈھا ایمان سلامت لے کر کیوں جا رہا ہے تو جب ادھر منہ پھیر لوں تو وہ ادھر آجاتا ہے۔ اُدھر پھیر لوں تو اُدھر سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو میں ابلیس سے منہ پھیرتا ہوں۔ اور اسی طرح ایک اور عالم کا قصہ ہے، بزرگ شخص تھے موت کا وقت جب آیا تو ابلیس نے آکر کہا کہ شکر کرو اب تمہاری موت کا وقت ہے مگر تو میرے پھندے سے بچ گیا۔ اور مجھ سے محفوظ رہا ——— اللہ رحم کرے اس عالم پر اس نے کہا ابلیس یہ بھی جھوٹ

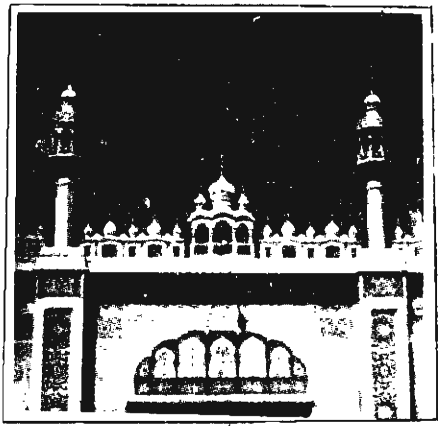

مسجد کا ایک دروازہ

بولتے ہو، میں تیرے پھندوں سے اب تک محفوظ نہیں ہوں، تیری شرارت جانتا ہوں۔ پھر کہا کہ میری ایک دو منٹ کی زندگی دنیا میں ہے، اب شیطان چاہتا ہے کہ میں اطمینان سے رہوں کہ ایمان پر خاتمہ ہوگا۔ تو دو ایک منٹ میں بھی

میرا کام خراب کر دے اور دو آدمی جب کشتی لڑتے ہیں تو ایک کوشش کرتا ہے کہ مدمقابل دو ایک منٹ بھی غافل ہو جائے تو میں اپنا کرتب دکھا کر اسے بچھاڑ دوں گا۔ تو ابلیس کا بھی یہی حال ہے کہ ایک منٹ کی غفلت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ کہتا ہے اب مطمئن ہو جا۔ عالم نے کہا نہیں اب بھی میں تیری شرارت جانتا ہوں۔ تیری تاک میں ہوں کہ اس ایک دو منٹ میں بھی مجھے گمراہ نہ کر دو۔

الغرض ابلیس نے خودی کا دعویٰ کیا کہ میں بھی کچھ ہوں خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ اور اکڑ فوں چلتا ہے متکبرانہ چال اور ابلیس کا یہی طریقہ ہے۔ جب اُسے آسمان سے زمین پر پھینکدیا گیا۔ تو اس نے اپنے ہاتھ خاصرہ پر رکھے ہوئے تھے، اٹنشن کھڑا تھا، جیسا کہ اب بھی ایسا کرتے ہیں کہ دشمن کو خوشی نہ ہو کہ میں خفا ہوں۔ جیسا کہ فوجی چال ہوتی ہے، تو کافر کے سامنے تو اٹنشن رہنا کمال ہے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے اللہ کے سامنے جھکا رہنا کمال ہے۔ — تو تکبر کی وضع شیطان کی وضع ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے میں تواضع اختیار فرماتے تھے، چلنے میں بھی تواضع، چال ایسی کہ آگے جھکے ہوئے۔ کانّما ینحط فی صبب۔ سر مبارک آگے جھکا ہوتا تھا، قدم مبارک مضبوطی سے اٹھاتے اور رکھتے تھے جیسا کہ کوئی اوپر سے فراز سے نشیب کیطرف جائے، تو شیخ عبدالعزیز دباغ سے طلبا نے شمائل کی اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا۔ تو شیخ عبدالعزیز نے فرمایا بھائی کل میں بتلاؤں گا کل صبح کے وقت یا کسی اور وقت ساتھیوں کو لیکر صحرا کیطرف نکلے، جب وہاں گئے تو ساتھیوں سے مریدوں سے کہا کہ کل تم نے "کانما ینحط من صبب" حدیث کا مطلب پوچھا تھا حضورؐ کی چال اور رفتار کے بارہ میں معلوم کیا تھا۔ تو مجھے معلوم نہ تھا تو رات میں مراقبہ ہوا اور اللہ نے مجھ پر فضل کیا۔ حضورؐ کی خدمت میں کشف کے ذریعہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ طلبہ رفتار مبارک کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہ وضع اور ہیئت کیسی تھی تو حضورِ اقدسؐ نے فرمایا دیکھ میں چلتا ہوں۔ تو حضورؐ نے چند قدم خود لئے کہ میں ایسا چلتا ہوں —— تو شیخ نے مریدوں سے طلبہ سے کہا کہ دیکھو اب میں حضورؐ کی رفتار کی نقل اتارتا ہوں۔ حضورؐ نے میرے سامنے جو قدم مبارک اٹھائے وہ اس طرح تھے۔ اب جب شیخ چلنے لگے تو سب کے اوپر گریہ طاری ہوا غشی طاری ہوئی، سب رونے لگے وہ تو حضورِ اقدسؐ کی رفتار مبارک کی نقل تھی اس کا اثر سب پر ہونا تھا سب رونے لگے، خوشی سے رونے لگے۔

الغرض دل کی نورانیت جس کو حاصل ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ علم اور مکاشفہ کے ذریعہ منوّر کر دیتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ کشف کے ذریعہ جو بات پیش ہو وہ حجّت ہو گی یا نہیں؟ حجّت تو قرآن شریف ہے، حجّت تو حدیث ہے، حجّت تو اجماع اور قیاس ہے اور تقدیر اس روایت عمار بن یاسر میں ایسے کمالات اور خوبیاں ہیں کہ علماء نے کہا کہ بظاہر موقوف ہے مگر ہمارا وجدان یہ ہے دل گواہی دیتا ہے کہ حدیث مرفوع ہو گی۔ اب وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے حدیث کی تشریح نہیں ہو سکتی البتہ مختصراً کچھ عرض کرتا ہوں۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ تین باتیں جس شخص میں

جمع ہوئیں گویا اس نے اپنا ایمان مکمل کر دیا۔

انصاف | الانصاف من نفسک۔ ہر شخص اپنے بارہ میں دوسرے سے انصاف کا مطالبہ کرتا ہے، ہم خدا سے سب کچھ مانگتے ہیں جب معمولی بات میں بھی دیر ہو جائے تو خدا سے گلے شکوے کرتے ہیں اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتے کہ ہزاروں کروڑوں حقوق ہم نے ادا نہیں کئے۔ اپنا نفس ہی باعث خسران ہوتا ہے۔ اس طرح آپس میں معاملات کا حال ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے ساتھ انصاف کرتا اپنے نفس کو ملامت کرتا تو کوئی شر و فساد نہ ہوتا جو چیز اپنے لئے عیب جانے تب دوسرے کیلئے بھی عیب جانے جب کہے کہ فلاں بڑا بخیل ہے۔ تو یہ بھی خیال کرے کہ میں کہاں کا حاتم طائی ہوں یہ عیب مجھ میں تو نہیں یہ ہے انصاف۔ الانصاف جامع لفظ ہے۔ اس میں یہ سب کچھ آگیا حقوق کا مطالبہ کرتا ہے تو فرائض کا بھی سوچے۔ دوسرے سے عدل کا طلبگار ہے تو اپنی حالت کو بھی دیکھے۔ انصاف سب سے پہلے خود اپنے ساتھ کرے گا۔ تب اوروں کے انصاف اور عدل کا بھی امیدوار ہوگا۔ آگے فرمایا وبذل السلام للعالم۔ اس میں تواضع کے ساتھ ساتھ خلق خدا سے ہمدردی بھی آگئی احترام انسانیت بھی آگیا۔ کا ذکر بھی جلب قلوب اور تالیف و میلانِ قلب کی بنا پر سلام کہنا مناسب ہے اس طرح بچوں پر بھی سلام کرنا چاہئے اپنے گھر اور کمرہ میں داخل ہوتے وقت بھی اگرچہ خالی ہو سلام مناسب ہے جو موجب منفعت و برکت ہے۔ اسلام نے دیگر مذاہب کیطرح سلام کا طریقہ رائج رکھا مگر اس کے معنی میں جو جامعیت ہے وہ کہیں دوسرے دعائی جملہ میں نہیں پائی جاتی کوئی صبحک اللہ بالخیر۔ مسّاک اللہ بالخیر کہتا ہے۔ انگریز گڈ مارننگ، ہندوستانی آداب عرض پٹھان ستڑے مہ شئ۔ خے چارے ان سب میں جامعیت نہیں کسی خاص دعا اور خاص وقت سے تعلق ہے یا دعا ہے ہی نہیں مقصد سب کا احترام اور خبر گیری ہے مگر اسلام کی دعائے سلام بہترین جامع مانع ہے۔ فی کل وقت من الاوقات۔ دنیا و آخرت کی ہر قسم کی ظاہری و باطنی روحانی اور جسمانی عیوب و آفات سے سلامتی ہو تو اسلام کی ہر بات کیطرح یہ مختصر کلمہ بھی عجیب شان امتیاز رکھتا ہے۔

انفاق | آگے فرمایا: الانفاق من الاقتار۔ فقر و احتیاج کے باوجود اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ۔ یہ غایۃ درجہ کرم ہے بہ نسبت اس کے کہ لاکھوں روپے کا مالک ہو تو اس میں سے کچھ دے دے صحابہؓ کی حالت یہ ہوتی کہ گھر میں۔ مد۔ صاع کے برابر بھی کچھ ہوتا وہ خدا کے کام پر دیدیتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرضیاتِ خداوندی پر چلنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین